7

جو لوگ موت سے نہیں ڈرتے
وہ ہمیشہ زندہ رکھے جاتے ہیں

(فرمودہ 20 فروری 1948ء بمقام ناصر آباد سندھ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"ہندوستان پر جو مصیبت آئی ہے خصوصاً مسلمانوں پر وہ ایسی نہیں ہے کہ اُس کو کوئی سمجھدار انسان جُھٹلا سکے۔ ہندوؤں کی حالت مسلمانوں سے الگ ہے۔ اول تو ہندو اِتنا مارا نہیں گیا جتنا مسلمان مارا گیا ہے۔ پھر چونکہ ہندوؤں اور سکھوں میں اتنا اغوا نہیں ہوا جتنا مسلمانوں میں ہوا ہے۔ پھر ہندوؤں اور سکھوں کی اِتنی جائیداد تباہ نہیں ہوئی جتنی مسلمانوں کی تباہ ہوئی ہے۔ ہندوؤں کی جائیداد زیادہ تر روپیہ کی شکل میں تھی جسے وہ نکال کر لے گئے۔ سکھوں کی بے شک زمین تھی اور زمینداری کے لحاظ سے اُن کا نقصان بھی ہوا مگر وہ ہندوؤں کا صرف ایک ٹکڑا تھے اور مسلمان بحیثیت مجموعی تباہ ہوئے۔ اس لیے غیر مسلموں کا نقصان کم تھا۔ پھر مالدار ہونے کی وجہ سے اب وہ مغربی پنجاب میں پھر واپس آرہے ہیں اور اُن کی جائیدادیں اُنہیں مل رہی ہیں۔ مگر مسلمانوں کی جائیدادیں واپس کرنے میں لیت ولعل کیا جارہا ہے اور اُس میں قسم قسم کی رکاوٹیں ڈالی جارہی ہیں۔ قادیان ہی کو لو وہاں کے لوگ جانا چاہتے ہیں

مگر حکومت اب تک جواب ہی دینے میں نہیں آتی۔ دنیا کی تاریخ میں اتنے لوگوں کی جبری ہجرت کا آج تک کوئی نمونہ نہیں ملتا۔ زیادہ سے زیادہ لاکھ ڈیڑھ لاکھ یا دو تین لاکھ لوگوں کی ہجرت کا ثبوت ملتا ہے۔ بڑی سے بڑی مثال ٹرکی اور یونان کی ہجرت کی ہے مگر اُس میں بھی ہجرت کرنے والوں کی مجموعی تعداد بیس لاکھ بیان کی جاتی ہے۔ اِس کے مقابلہ میں صرف پنجاب کی ہجرت ایک کروڑ افراد کی ہے اور باقی علاقے اِس کے علاوہ ہیں۔ اگر سارے ہندوستان کی مجموعی تعداد دیکھی جائے تو ڈیڑھ کروڑ افراد تک یہ تعداد پہنچ جاتی ہے۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ اِتنی بڑی مصیبت کے باوجود مسلمانوں کی سُستی ابھی دُور نہیں ہوئی۔ وہ اُسی طرح رہ رہے اور اُسی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں جس طرح اِس حادثہ سے پہلے زندگی بسر کرتے تھے۔ اُن میں اب حِسّ ہی نہیں کہ خدا نے اُن کو جو چوٹ لگائی ہے اِس کے بعد اُنہیں اپنی زندگی بدل لینی چاہیے اور اپنے اندر ایک نیک اور پاک تغیر پیدا کرنا چاہیے۔ دنیا کے اَور ممالک بھی ہیں مگر اُن میں سے کسی ملک کے لوگوں میں بھی اتنی سُستی اور غفلت نہیں پائی جاتی جتنی مسلمانوں میں پائی جاتی ہے۔ اور اُن میں سے ہر شخص سمجھتا ہے کہ مَیں نے اپنی زندگی مفید طور پر بسر کرنی ہے۔ اُن میں سے ہر شخص کوشش کرتا ہے کہ اُس کا وجود لوگوں کے لیے نفع رساں ہو۔ مگر ہم میں سے ہر شخص اُسی طرح زندگی بسر کرتا ہے جس طرح دریا میں ایک کارک یا لکڑی پھینک دی جائے تو وہ ہوا کے زور سے کبھی اِدھر چلی آتی ہے اور کبھی اُدھر چلی جاتی ہے، کبھی دریا کے کنارے پر آلگتی ہے اور کبھی اُس کی لہروں میں غائب ہو جاتی ہے۔ نہ اُن میں عقل ہے نہ خرد ہے، نہ محنت سے کام کرنے کی عادت ہے نہ وقت پر کام کرتے ہیں، نہ عمدگی اور نفاست سے کام سرانجام دیتے ہیں نہ کوشش اور جدوجہد سے کام لیتے ہیں۔ سُستی اور غفلت اور نحوست اُن کے ہر کام میں نظر آ رہی ہے اور وہ اپنی زندگی اِس طرح گزار رہے ہیں جس طرح کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں۔ پھر اِس بے حیائی کو دیکھو کہ مسلمان اپنے گھروں سے نکالے گئے، اپنی جائیدادوں سے بے دخل کیے گئے، اپنے مال واملاک سے محروم کیے گئے مگر یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود وہ اِس تلخ گھونٹ کو پی کر خاموش ہو گئے ہیں اور اب اُن کے دلوں میں یہ غیرت بھی پیدا نہیں ہوتی کہ وہ پھر اپنی جائیدادوں کو حاصل کریں اور پھر اپنے وطنوں کو واپس لوٹیں۔ یورپ میں کسی قوم کا اگر ایک آدمی بھی مارا جائے تو سارے ملک میں اُس وقت تک آگ لگی رہتی ہے جب تک اُس کا بدلہ نہ لے لیا جائے۔ بے شک

اسلام ہمیں اِس بات سے روکتا ہے کہ ہم کسی پر ظلم کریں۔ وہ ہدایت دیتا ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرو۔ وہ ظالمانہ بدلہ سے بھی منع کرتا ہے۔ مگر وہ حقیقی بدلہ لینے سے نہیں روکتا کیونکہ حقیقی بدلہ نہ لینا بے غیرتی اور بے حیائی ہوتی ہے۔ مگر مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ جہاں سے اُن کو کسی نے نکالا وہاں سے وہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہہ کر اور اپنے کپڑے جھاڑ کر چلے آئے۔ اِس سے زیادہ بے حیائی اور بے شرمی اَور کیا ہوسکتی ہے کہ بجائے اس کے کہ مسلمانوں کے اندر ایک آگ لگ جاتی اور وہ تہیّہ کر لیتے کہ ہم نے پھر اپنے وطنوں کو واپس جانا ہے، پھر اپنے ملک میں عزت اور آبرو کا مقام حاصل کرنا ہے اور اِس غرض کے لیے وہ اپنے اندر طاقت اور قوت پیدا کرتے اور اپنے آپ کو منظّم کرنے کی کوشش کرتے اور اِس طرح پنجاب کا ابتلاء اُن کی بیداری کا موجب ہوجاتا بلکہ سب دنیا کے مسلمانوں کی بیداری کا موجب ہوجاتا۔ ہوا یہ کہ دوسرے ممالک میں تو کیا تغیر ہونا تھا خود پنجاب کے مسلمانوں میں بھی بیداری پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ جو کچھ ہم نے پنجاب میں دیکھا ہے وہ تو یہ ہے کہ اپنی جائیدادیں کھونے کے بعد مسلمان بھک منگے اور فقیر بن گئے ہیں۔

کثرت کے ساتھ حکام نے مجھے بتایا ہے کہ مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ اُن کو ایک مقام پر بٹھایا جاتا ہے، اُن کے لیے غلہ کا انتظام کیا جاتا ہے، ہندو جو برتن وغیرہ چھوڑ گئے ہیں اُن میں سے برتن اُن کو دیئے جاتے ہیں، کپڑے اُن کو دیئے جاتے ہیں اور اِس طرح اُن کو ہر طرح آرام پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے مگر تیسرے چوتھے دن رات کے وقت وہ اچانک سب سامان لے کر بھاگ جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ زمین ہمیں پسند نہیں۔ پھر پندرہ بیس میل کے فاصلے پر کسی دوسرے مقام پر ڈیرہ لگا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مہاجر ہیں اور مشرقی پنجاب سے لٹے ہوئے آئے ہیں۔ پھر اُنہیں زمین دے دی جاتی ہے۔ جب زمین ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم کھائیں کہاں سے؟ پھر ان کو غلہ دیا جاتا ہے۔ غلہ مل جائے تو کہتے ہیں اب ہم پکائیں کس طرح؟ برتن تو ہمارے پاس ہے نہیں۔ اِس پر اُنہیں برتن دیئے جاتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں ہمارے پاس کپڑا کوئی نہیں۔ چنانچہ اُنہیں کپڑے بھی دیئے جاتے ہیں۔ مگر پھر تین چار دن کے بعد وہ تمام چیزیں سمیٹ کر وہاں سے بھی بھاگ جاتے اور کسی اَور مقام پر برتن اور کپڑے لینے کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔ گویا بجائے اِس کے کہ اِس مصیبت کے بعد اُن میں قوتِ عملیہ پیدا ہوتی، بجائے اِس کے کہ اُن میں کوئی نیک تغیر پیدا ہوتا وہ فقیر اور بھک منگے بن گئے

ہیں اور تھوڑی بہت غیرت جو اُن میں باقی تھی وہ بھی جاتی رہی ہے۔ مسلمانوں کی بدقسمتی اور اُن کی تباہی کی کتنی بڑی علامت ہے کہ جب خدا کی طرف سے اُن کو مار پڑی تب بھی اُن کو ہوش نہ آیا اور جب خدا نے اُن پر فضل نازل کیا اور اُن کی مصیبتوں اور بلاؤں کو ہٹایا تب بھی اُن کو ہوش نہ آیا۔

دنیا میں سمجھانے کے دو ہی طریق ہوا کرتے ہیں یا تو کوئی شخص پیار سے سمجھا تا ہے یا سزا اور تعذیب سے سمجھا تا ہے مگر مسلمان نہ پیار سے سمجھے نہ بلاء سے اور نہ عذاب سے سمجھے۔ ایسے لوگوں کو سوائے تباہی کے اَور حاصل ہی کیا ہوسکتا ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو یا تو مسلمان شدھ ہو کر ہندو بن جائیں گے اور یا پھر قتل کر دیئے جائیں گے۔ شدھ ہونے کی حالت میں اُن کی جانیں بے شک بچ جائیں گی مگر چوڑھوں اور چماروں کا کام اُن کے سپرد ہو جائے گا کیونکہ چُوڑھوں اور چماروں میں اب بیداری پیدا ہو رہی ہے اور وہ اپنی پہلی حالت کو ترک کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اِس طرح مسلمانوں کے لیے دو ہی صورتیں ہیں۔ جن میں غیرت ہوگی وہ تو مارے جائیں گے اور اُن کی عورتیں اور بچے بھی اغوا کر لیے جائیں گے۔ اور جن میں غیرت نہیں ہوگی اور ایمانی لحاظ سے کمزور ہوں گے وہ چُوڑھوں اور چماروں اور سانسیوں کی جگہ کھڑے کر دیئے جائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا کہ اب تم یہ کام کرو کیونکہ یہ قومیں اب بیدار ہو چکی ہیں۔ اِس کے سوا مجھے اَور کوئی مستقبل مسلمانوں کا نظر نہیں آتا۔ مگر مسلمان ہے کہ اپنی موجودہ حالت پر بالکل مطمئن بیٹھا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ جب کوئی مصیبت کا وقت آیا تو خدا خود سب کام کرے گا۔ ہمیں ہاتھ پاؤں ہلانے یا اپنے لیے کوئی تدبیر سوچنے کی کیا ضرورت ہے۔ حالانکہ خدا نے اگر اِس رنگ میں اُن کی مدد کرنی ہوتی تو پہلے کیوں نہ کر دیتا۔

پچھلے دنوں پانچ چھ لاکھ مسلمان مارا گیا ہے اَور ساٹھ ستّر ہزار مسلمان عورتیں اِس وقت بھی ہندوؤں اور سکھوں کے قبضہ میں ہیں۔ اصل میں تو یہ تعداد ایک لاکھ تک پہنچ چکی تھی مگر اب بھی ستّر ہزار کے قریب مسلمان عورتیں سکھوں کے قبضہ میں ہیں اور وہ ان سے بدکاریاں کر رہے ہیں۔ مگر مسلمان ہیں کہ آرام سے بیٹھے ہیں اور کبھی ایک جگہ بھیک مانگنے چلے جاتے ہیں اور کبھی دوسری جگہ بھیک مانگنے چلے جاتے ہیں۔ اُن کو ذرا بھی شرم محسوس نہیں ہوتی کہ آخر یہ ہوا کیا ہے۔ کسی کی بیوی سکھوں کے قبضہ میں ہے، کسی کی بہن سکھوں کے قبضہ میں ہے اور کسی کی ماں سکھوں کے قبضہ میں ہے اور وہ دن رات سکھوں سے بدکاریاں کروا رہی ہیں مگر یہ بے شرم آرام سے کبھی اِدھر چلے جاتے ہیں اور کبھی اُدھر چلے

جاتے ہیں حالانکہ اگر ان میں ایک ذرہ بھر بھی غیرت ہوتی تو جب تک یہ اپنی اِس ہتک کا ازالہ نہ کر لیتے اُس وقت تک سانس لینا بھی انہیں دوبھر ہوتا۔ ان کا فرض تھا کہ خواہ صلح سے ملتا یا جنگ سے وہ اپنا علاقہ لینے کی کوشش کرتے۔ اور سانس نہ لیتے جب تک اپنی کھوئی ہوئی عزت حاصل نہ کرتے۔ گو ہندو اپنی جگہ واپس لینے کو پاکستان آ رہا ہے مگر مسلمان سو رہا ہے۔ وہ اِدھر اُدھر بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ وہ اپنی اُٹھائی ہوئی بیوی یا بہن یا لڑکی کو بھول چکا ہے اور اُس کی نظر سکھوں کے چھوڑے ہوئے مربعوں پر ہے یا ہندوؤں کی چھوڑی ہوئی دکانوں پر۔ اس بے غیرت کا دنیا میں کوئی مقام نہیں۔ ایسا انسان زندہ رہنے کے قابل نہیں۔

مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ جب تک ان میں غیرت پیدا نہیں ہوگی، جب تک وہ محنت کی عادت اپنے اندر پیدا نہیں کریں گے نہ خدا کی مدد اُنہیں حاصل ہو سکتی ہے اور نہ دنیا میں کوئی عزت کا مقام وہ حاصل کر سکتے ہیں۔ آخر خدا نے ہر چیز کے حصول کے لیے کچھ رستے مقرر کیے ہیں۔ جب تک کوئی شخص اُن رستوں کو اختیار نہیں کرتا اُس وقت تک اُسے کبھی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ خدا تعالیٰ نے روٹی پکانے کے لیے یہ قانون مقرر کیا ہے کہ پسے ہوئے آٹے میں پانی ملا کر اُسے گوندھا جائے۔ پھر چولہے میں آگ جلائی جائے۔ چولہے پر توا رکھا جائے اور پھر گُندھے ہوئے آٹے سے روٹی تیار کی جائے۔ اگر کوئی شخص اِس طریق کو اختیار نہیں کرتا اور سارا دن آٹے پر ڈنڈے مارتا رہتا ہے تو وہ کبھی بھی روٹی تیار نہیں کر سکتا۔ جس طرح سارا دن اگر کوئی شخص نکمّا بیٹھا رہے تو روٹی تیار نہیں ہو جائے گی اِسی طرح اگر کوئی شخص سارا دن آٹے پر ڈنڈے مارتا رہے اور غلط قسم کی محنت کرتا رہے تب بھی روٹی تیار نہیں ہوگی۔ کیونکہ روٹی کے لیے خدا تعالیٰ نے جو قانون مقرر کیا ہے اُس کو نہ اِس نے اختیار کیا ہے نہ اُس نے۔ اِسی طرح خدا تعالیٰ نے کپڑے سینے کے جو اصول مقرر فرمائے ہیں جب تک کوئی شخص اُن اصول کو اختیار نہیں کرے گا اور اُن اصول کے مطابق محنت نہیں کرے گا وہ کبھی کپڑا نہیں سی سکے گا۔ خدا نے کپڑا سینے کے لیے یہ اصول مقرر فرمایا ہے کہ سوئی میں تاگا ڈالا جائے اور پھر سُوئی سے سِلائی کی جائے۔ جو شخص سوئی ہاتھ میں نہیں پکڑتا یا مشین سے کام نہیں لیتا وہ کبھی بھی کپڑا نہیں سی سکتا۔ جس طرح مادی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے قانون جاری کیے ہیں اِسی طرح دنیا کی حالت اور دین کی حالت سدھارنے کے لیے بھی خدا تعالیٰ نے کچھ قانون مقرر فرمائے ہیں۔ اُن قانونوں کی پابندی کرنے کے

بعد ہی انسان کامیاب ہوسکتا ہے۔ جو شخص اُن قانونوں کی پابندی نہیں کرتا وہ سوائے ندامت اَور ناکامی کے اور کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔ مَیں نے دیکھا ہے وہ لوگ جن کو مسلمان وحشی کہتے ہیں وہ بھی اِس بات کو خوب سمجھتے ہیں کہ زندگی کس طرح بسر کرنی چاہیے اور کامیابی کِن اصول پر چل کر حاصل ہوتی ہے مگر مسلمان اُس وحشی قوم کے افراد کے برابر بھی اِس نکتہ کو نہیں سمجھتے۔

قادیان میں مَیں جب بھی سیر کے لیے جاتا اور راستہ میں کھیتیاں آتیں تو مَیں فوراً سمجھ جاتا کہ یہ سکھ زمیندار کی کھیتی ہے اور یہ مسلمان زمیندار کی کھیتی ہے۔ اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ سکھ کی فصل تو یہاں یہاں تک ہوتی''۔

حضور نے سینہ کی طرف اشارہ کیا۔

''اور مسلمان کی فصل یہاں تک ہوتی''۔

حضور نے کمر پر ہاتھ لگایا۔

''اِس امتیاز کی وجہ سے بغیر اِس علم کے کہ یہ سکھ کی کھیتی ہے یا مسلمان کی مَیں فوراً سمجھ جاتا تھا کہ دونوں میں سے یہ کس کی کھیتی ہے۔ درجنوں دفعہ ایسا ہوا ہے کہ مَیں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ سکھ کی فصل معلوم ہوتی ہے۔ اور جب آدمی بھجوا کر پتہ کروایا تو معلوم ہوا کہ واقع میں وہ سکھ کی ہے۔ حالانکہ زمین وہی ہوتی ہے، پانی وہی ہوتا ہے، بیج وہی ہوتا ہے مگر ایک کی فصل اچھی ہوتی ہے اور دوسرے کی ناقص۔ مسلمان کہتے ہیں کہ ملیریا نے ہمیں مار لیا مگر سوال یہ ہے کہ ملیریا سکھ کو کیوں نہیں مارتا۔ اِسی لیے کہ وہ خود نہیں مرتا۔ اور جو شخص پہلے ہی مرنے کے لیے تیار ہو اُسے ملیریا بھی مار لیتا ہے۔ ہیضہ بھی مار لیتا ہے۔ ٹائیفائیڈ بھی مار لیتا ہے مگر جو آپ مرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا اُسے کوئی بھی مارنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ جس شخص کی حالت یہ ہو کہ وہ پہلے ہی اپنے آپ کو نیچا کر دیتا اور زمین پر گرا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مَیں ختم ہو گیا اس کی خدا کیوں مدد کرے۔ جو شخص اپنے آپ پر بدظنی کرتا اور اپنی قابلیتوں کو کھو دیتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی کبھی مدد نہیں کرتا۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری جماعت نے بھی اِس معاملہ میں اچھا نمونہ نہیں دکھایا۔ اُنیس بیس کا فرق ہو تو اَور بات ہے ورنہ جہاں تک محنت کا سوال ہے، جہاں تک کوشش اور ہمت کا سوال ہے، جہاں تک کام کرنے کی روح کا سوال ہے ہمیں اِن میں اَور اُن میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

تم شیشے اپنے سامنے رکھ کر دیکھ لو سارے کے سارے مُردار معلوم ہوتے ہو۔ اِس کے مقابلہ میں سکھوں کی شکلیں دیکھ لو اُن کے قد بلند ہیں، اُن کے جسم مضبوط ہیں، اُن کی شکلوں سے رُعب ٹپکتا ہے، اُن کے اندر طاقت اور قوت زیادہ ہے۔ آخر تم میں اور اُن میں یہ فرق کیوں ہے؟ وہی زمین اُن کے پاس ہے جو تمہارے پاس ہے، وہی خوراک وہ کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو، وہی سامان اُن کے پاس ہے جو تمہارے پاس ہے۔ پھر یہ فرق کیوں ہے؟ یہ فرق اِسی لیے ہے کہ سکھ محنت کے عادی ہیں۔ کام کرتے ہیں تو پوری دیانت داری کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور چونکہ اُن کے جسم محنت اور مشقت کرنے کے عادی ہیں اُن کے پیٹ میں جب روٹی جاتی ہے تو اچھی طرح ہضم ہوتی اور اچھا خون پیدا کرتی ہے۔ اِسی طرح وقت پر اور صحیح طور پر کام کرنے کے نتیجہ میں اُن کے اَور کاموں میں بھی نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ پھر جب لڑائی ہوتی ہے تو لڑائی میں بھی وہ مسلمانوں کو مار لیتے ہیں۔ مشرقی پنجاب میں مسلمان چوالیس فیصدی تھے اور سکھ چھبیس فیصدی۔ مگر چوالیس فیصدی مسلمان چھبیس فیصدی سکھ کے مقابلہ میں اِس طرح بھاگا ہے کہ جس طرح دُھواں دیکھتے ہی دیکھتے انسانی نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح چند دنوں میں سارا مشرقی پنجاب مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔ بٹالہ جیسا شہر جس میں ساٹھ ہزار مسلمان تھے ہم نے اُن سے بہتیرا کہا کہ ایک طرف تم ڈٹے رہو اور دوسری طرف ہم قادیان میں ڈٹے رہتے ہیں سکھ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ مگر ساٹھ ہزار کا شہر دو گھنٹہ کے اندر اندر خالی ہو گیا اور سارے مسلمان شہر چھوڑ کر بھاگ گئے حالانکہ بٹالہ میں صرف چند سو سکھ تھے اور اسّی فیصدی مسلمان۔ مگر اسّی فیصدی مسلمان کے چند سو سکھ سے ڈر کر اوسان خطا ہو گئے۔ یہ ڈر آخر کیوں پیدا ہوا؟ اِس لیے کہ سکھوں کی شکلیں ہی ہیبت ناک ہوتی ہیں اور وہ ہر قربانی کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں مسلمان کی شکل سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ پوستی اور منحوس ہے اور خدا کی لعنت اُس پر برس رہی ہے۔ سکھ کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں ہمت ہے، طاقت ہے، ہوشیاری ہے، چالاکی ہے، کام کرنے کی روح ہے، مشکلات پر غلبہ پانے کی اُس میں طاقت ہے۔ لیکن مسلمان جب اپنے گھر سے نکلتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی ماں مر گئی ہے یا ابھی اپنی بیٹی کو دفن کر کے آیا ہے۔ اُس کے چہرے پر نحوست اور افسردگی اور غم کی کیفیات ہوتی ہیں، اُس کی کمر ٹیڑھی ہو رہی ہوتی ہے، مُردنی اُس پر چھائی ہوئی ہوتی ہے، وہ کھانا کھاتا ہے تو اُسے ہضم نہیں ہوتا اور ڈکار تا رہتا ہے۔

جس کی وجہ سوائے اِس کے اَور کیا ہوتی ہے کہ وہ کام نہیں کرتا اور پھر یہ امید رکھتا ہے کہ جب میرا اور دوسری قوموں کا مقابلہ ہوتو مَیں کامیاب ہو جاؤں۔ مگر یہ کس طرح ہوسکتا ہے؟ جو خدا تعالیٰ نے قانون مقرر کیے ہیں اُن کی پابندی کرنے والے لوگ ہی کامیاب ہوں گے خلاف ورزی کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔

اِس امر کو جانے دو کہ مسلمان ایک نبی کے مخالف ہیں اور چونکہ خدا اُن سے ناراض ہے اِس لیے اُن پر تباہی آ رہی ہے۔ مَیں احمدیوں سے کہتا ہوں کہ آخر تم کو کیا ہو گیا ہے اور تم نے احمدیت قبول کرنے کے بعد اپنے اندر کونسی تبدیلی پیدا کی ہے؟ کون سا تغیر ہے جو تم میں پیدا ہوا ہے؟ چند عقائد بے شک تم نے مان لیے ہیں مگر عقائد سے کیا بنتا ہے۔ جب تک تم اپنی زندگیوں میں تغیر پیدا نہیں کرتے، جب تک تم قربانی اور ایثار اور خدا تعالیٰ پر توکّل کا مادہ اپنے اندر پیدا نہیں کرتے اُس وقت تک اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم نے احمدیت کو قبول کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر لی ہے تو تم سے زیادہ غلطی خوردہ اَور کوئی نہیں ہوسکتا۔ مومن کی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ دشمن اُسے مارتا چلا جاتا ہے مگر وہ پھر بھی یہی کہتا ہے کہ مَیں نے نہیں مرنا کیونکہ میرا خدا میرے ساتھ ہے۔ آخر یہ یقین اُسے غالب کر دیتا ہے۔ اور دشمن بھی حیران ہو کر کہتا ہے کہ نہ معلوم یہ ہے کیا بلاء کہ مارنے کے باوجود نہیں مرتا اور پہلے سے بھی زیادہ اُبھرتا چلا جاتا ہے۔

تم لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ اِتنی بڑی مصیبت اور بَلاء کے بعد تمہاری زندگیوں میں کونسا تغیر پیدا ہوا ہے؟ تم اپنے اندر محنت کی عادت پیدا کرو، کام کو وقت پر اور صحیح طور پر سرانجام دو، ایک ایک منٹ بجائے گپّوں میں ضائع کرنے کے مفید کاموں میں صَرف کرو اور رات کو تم اُس وقت تک سوؤ نہیں جب تک تم اِس امر کا جائزہ نہ لے لو کہ تم نے دن بھر میں کیا کیا ہے، تمہیں کیا کیا کام کرنا چاہیے تھا اور تم نے کیا کچھ کیا۔ کام سے ہی انسان ترقی کیا کرتا ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ کام سے دوسروں کا فائدہ ہوتا ہے حالانکہ دوسروں کا ہی نہیں انسان کا اپنا بھی فائدہ ہوتا ہے۔ یہاں ناصر آباد آنے میں گو میری ذاتی غرض بھی ہوتی ہے کیونکہ میری یہاں زمینیں ہیں مگر مَیں دیکھتا ہوں یہاں بھی سُستی سے کام ہو رہا ہے۔ اور چونکہ مسلمانوں کو سُست رہنے کی عادت ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُن سے نماز بھی وقت پر نہیں پڑھی جاتی۔ وہ ٹھیک طرح اپنے بیوی بچوں کی خبر گیری بھی نہیں کرتے۔ وہ اپنے کپڑوں کی صفائی کا بھی

خیال نہیں رکھتے۔ آخر اِس میں کونسی مشکل ہے کہ کپڑوں کو صاف رکھا جائے۔ مگر مقابلہ کرکے دیکھ لو ایک سکھ کے کپڑے صاف ہوں گے مگر مسلمان کے کپڑے صاف نہیں ہوں گے۔ اِس کے کپڑے جب تک پھٹ کر دھجیاں نہ ہو جائیں یہ اُن کو دھونا پسند نہیں کرتا حالانکہ زندہ رہنے والی قومیں ظاہری صفائی کا بھی ایک حد تک خیال رکھا کرتی ہیں۔ مکہ میں جو لاکھوں کا شہر ہے اب تک یہ رواج پایا جاتا ہے کہ روزانہ رات کو سوتے وقت بیوی میاں اپنے دن کے کپڑے اُتار دیتے اور صبح دھو کر پہنتے ہیں۔ یہ لازمی بات ہے کہ جس شخص کو یہ فکر ہوگا کہ میں نے صبح دھوئے ہوئے کپڑے پہننے ہیں وہ علی الصبح اُٹھے گا، سُستی اور غفلت میں وہ ساری رات نہیں گزار سکتا۔ صبح اُٹھنے اور کپڑے دھونے کی وجہ سے اُنہیں محنت کی عادت پڑتی ہے۔ اُن کو صفائی سے محبت ہو جاتی ہے۔ اُن کے ذہنوں میں ایک روشنی اور تازگی پیدا ہوتی ہے اور وہ دن بھر اپنے تمام کام نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جو شخص 6 گھنٹے سوتا اور 18 گھنٹے کام کرتا ہے وہ نمازوں میں بھی باقاعدہ ہوگا اور اُس کے اَور کاموں میں بھی ایک نفاست اور عمدگی پائی جائے گی۔ مگر جو شخص 10 گھنٹے سوتا اور 5 گھنٹے گپّوں میں ضائع کر دیتا ہے وہ باقی گھنٹوں میں بھی کوئی مفید کام نہیں کر سکتا۔ وہ نمازوں کو چٹّی سمجھے گا، وہ کام کو ایک مصیبت اور بلاء خیال کرے گا اور یہی چاہے گا کہ مَیں کسی طرح اِس سے بچ جاؤں۔ مگر جو 18 گھنٹے کام میں لگا رہتا ہے اُسے چونکہ کام کرنے کی عادت ہوتی ہے اِس لیے وہ نمازوں کے لیے بھی بڑی آسانی سے وقت نکال لیتا ہے۔ پس اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو۔ جب تک تم اپنے اندر تبدیلی پیدا نہیں کرو گے مت سمجھو کہ خدا تمہاری مدد کے لیے آسمان سے نازل ہوگا۔ یہ خدا کی سنت کے قطعاً خلاف ہے۔ خدا تعالیٰ اُنہی لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اُس کے بنائے ہوئے قانونوں کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتے اور ہر قسم کی سُستی اور غفلت سے دور رہتے ہیں۔

یورپ میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ بعض ایسے لوگ جو پہلے بالکل جاہل تھے محنت اور کوشش سے کہیں سے کہیں نکل گئے کیونکہ وہ کام کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔ وہ ہل چلاتے چلے جاتے ہیں اور ساتھ ہی کسی کتاب کا بھی مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ بیسیوں مثالیں ایسی ملتی ہیں کہ ہل چلاتے چلاتے وہ کتابیں پڑھتے چلے گئے اور آخر اُدھیڑ عمر یا بڑھاپے میں بہت بڑے عالم بن گئے۔ مگر ہمارا پڑھا ہوا آدمی بھی بھولتا چلا جاتا ہے۔ وہ بجائے کچھ اَور سیکھنے کے جاہل ہوتا چلا جاتا ہے۔ بجائے محنت کا عادی

بننے کے سُستی اَور ضُعف کا شکار ہوتا جاتا ہے۔ اور بجائے جوان ہونے کے کُبڑا ہوتا جاتا ہے۔ اس کی وجہ جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے یہی ہے کہ اُسے کام میں نہیں بلکہ سارا مزا سُستی اور غفلت میں آتا ہے۔ جب بھی کسی سے پوچھا جائے کہ مزہ کیا ہوتا ہے؟ تو ہمیشہ وہ کوئی ایسی بات کہتا ہے جو اُس کی سُستی کو آشکار کرنے والی ہوتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ ایک بوڑھا تھا۔ اُس سے ہم پوچھا کرتے تھے کہ بتاؤ سب سے زیادہ مزہ تم کس بات میں محسوس کرتے ہو اور تمہاری بڑی سے بڑی خواہش کیا ہے؟ اِس کا وہ ہمیشہ یہ جواب دیا کرتا کہ مجھے سب سے زیادہ خواہش اِس امر کی ہے کہ مجھے چھوٹا چھوٹا بخار ہو، چارپائی میں لیٹا ہوا ہوں، باہر آہستہ آہستہ بارش ہو رہی ہو، لحاف مَیں نے اوڑھا ہوا ہو اور بھُنے ہوئے چنے ایک ایک کر کے مَیں کھا رہا ہوں۔ آپ فرماتے تھے ہم ہمیشہ اُس کی یہ بات سُن کر ہنسا کرتے تھے۔ مگر جب بھی ہم اُس سے پوچھتے وہ یہی جواب دیا کرتا تھا۔ اب واقع میں اگر غور کر کے دیکھا جائے تو اگر اِس شکل میں نہیں تو ایک دوسری شکل میں ہر مسلمان کا یہی جواب ہوتا ہے۔ جب بھی کسی سے پوچھو کہ مزہ کیا ہوتا ہے۔ تو وہ یہی جواب دیتا ہے کہ مزہ بس یہی ہے کہ ذرا لیٹ جائیں اور کام چھوڑ دیں۔ حالانکہ اصل مزہ کام میں ہے نکمّے پن میں نہیں۔ مگر مسلمان کو نکمے پن میں اتنا مزہ آیا اِتنا مزہ آیا کہ اُس نے ہماری جنت بھی خراب کر دی۔ جب بھی جنت کا نقشہ کھینچا جائے مسلمان اِس رنگ میں جنت کا نقشہ کھینچتے ہیں کہ وہاں بڑا مزہ ہوگا، آرام سے بیٹھے رہیں گے اور پکی پکائی روٹی مل جائے گی۔ نہ نماز ہوگی۔ نہ روزہ اور نہ کوئی اَور کام۔ بس کھائیں گے اور عیش کریں گے۔ حالانکہ یہ جنت نہیں۔ یہ تو بڑا خطرناک دوزخ ہے۔ کیا جیل خانہ کا قیدی اپنے آپ کو جنت میں سمجھتا ہے؟ اِس لیے کہ وہ سارا دن کوٹھڑی میں بیٹھا رہتا ہے اور اُسے کوئی کام نہیں ہوتا۔ وہ اپنے آپ کو جنت میں نہیں بلکہ دوزخ میں سمجھتا ہے۔ حالانکہ وہ ہر قسم کے کام سے فارغ ہوتا ہے۔ جنت یہی ہے کہ کام کیا جائے۔ اور ہمیں جو کچھ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے وہ بھی یہی ہے کہ مومن وہاں خوب کام کرے گا اور یہی جنت ہوگی۔

پس اگر تم آنے والی آفات اور بلاؤں سے بچنا چاہتے ہو تو اپنے اندر نیک تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اور اگر تم میں سے کوئی شخص اِن بلاؤں سے بچنا نہیں چاہتا بلکہ مرنا چاہتا ہے تو بے شک مرے مگر ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ احمدیت کو بدنام نہ کرے۔ اب حالات اِس قسم کے ہیں کہ جب تک

ساری جماعت مرنے کے لیے تیار نہیں ہوگی، جب تک ساری جماعت دیووں کی طرح کام کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگی مجھے اِس کا کوئی مستقبل نظر نہیں آتا۔ ہوسکتا ہے کہ اِس غرض کے لیے ہمیں جماعت کو چھانٹنا پڑے اور ایک ایسی جماعت تیار کرنی پڑے جو مرنے کے لیے تیار ہو۔ مگر یاد رکھو جو لوگ مرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے دنیا کی کوئی طاقت اُن کو مار نہیں سکے گی۔ لوگ اُنہی کو مارتے ہیں جو موت سے ڈرتے ہیں۔ جو لوگ موت سے نہیں ڈرتے وہ ہمیشہ زندہ رکھے جاتے ہیں۔ کفر میں بھی اِس قسم کی مثالیں ملتی ہیں اور ایمان میں بھی اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں۔ کفر میں بھی وہی لوگ جیتے ہیں جو قربانی اور ایثار سے کام لیتے ہیں اور ایمان میں بھی وہی لوگ جیتے ہیں جو محنت کرتے اور قربانی اور ایثار سے کام لیتے ہیں۔ جب یہ باتیں کسی قوم میں نہیں رہتیں وہ تباہ اور برباد ہو جاتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھوڑے سے مسلمان تھے مگر چونکہ اُنہوں نے قربانیاں کیں وہ دنیا کے بادشاہ بن گئے۔ اُس کے بعد جب مسلمانوں میں عیاشیاں آ گئیں تو وہ تباہ اور برباد ہو گئے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے قوموں کی ترقی کے لیے جو قانون بنائے ہیں اُن کے خلاف چل کر کوئی شخص کامیاب نہیں ہوسکتا"۔

(الفضل 28 فروری 1948ء)